ڈاکٹر عامر سہیل
صدرِ شعبہء اردو
ایبٹ آباد پبلک سکول اینڈ کالج

ادبی تھیوری: مبادیات اور نظریات

Abstract:
Literary theory is a new emerging discipline in Urdu literature; it is a systematized analysis of different literary genres or text. it's very true that all literary theories are basically lenses through which we can see and elaborate texts. The present article is discussing the foundational work on the core areas of literary theory. The first part of this article is defining the basic and interdisciplinary phenomena of this subject so that a student or general reader can grasp this new concept.Latter, I mentioned some important literary theories in this article and highlighted its social and philosophic significance for systematic studies.

Key Words: Literary Theory, Text, Terminology, Interdisciplinarit

ادبی تھیوری جس انداز سے اُردو ادب میں اپنی جگہ بنا رہی ہے اُس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تعریف، ابتدائی مقدمات، رجحانات اور طریقِ کار پر بات کی جائے نیز یہ بھی دیکھا جائے کہ ادبی تھیوری اور ادبی تنقید کا باہمی فرق کیا ہے۔ اُردو میں یہ مسئلہ کچھ انداز سے زیرِ بحث لایا جاتا ہے کہ اکثر لوگ ادبی تھیوری کو ادبی تنقید کا متبادل یا اس کی ضد خیال کرنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے ادبی غلط فہمیاں اس حد تک بڑھ جاتی ہیں کہ افہام و تفہیم کی صورت تلاش کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔ اُردو زبان و ادب میں تھیوری پر جو مباحث ملتے ہیں اُن میں عموماً مبادیات پر بات کم ہوئی ہے جب کہ اس کی فلسفیانہ اساس اور بین العلومیت پر زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے۔ ان تحریروں کی اہمیت اپنی جگہ مسلمہ ہے تاہم عام قاری اور جامعات کے طلبہ اس نوعیت کے بھاری بھر کم تعقلات کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے کیوں کہ اچانک اُن کا واسطہ اجنبی اور دقیق اصطلاحات و نظریات سے پڑتا ہے جس کا کوئی حوالہ اُن کی کلاسیکی تنقیدی کتب میں موجود نہیں ہوتا بلکہ جدید نصابات میں بھی ادبی تھیوری کا الگ سے کوئی پرچہ شامل نہیں ہے جس کے باعث مشکلات اور اُلجھنیں اپنی جگہ قائم رہتی ہیں۔ اُردو زبان کے برعکس مغربی زبانوں، بالخصوص انگریزی میں ادبی تھیوری کے ابتدائی تصورات کو جس سادہ اور سلیس پیرائے میں بیان کیا جاتا

ہے اُس کی داد دینا پڑتی ہے۔ وہاں ادبی تھیوری کو باقاعدہ نصاب کا حصہ بنا کر پڑھایا جاتا ہے جس کی وجہ سے طلبہ ہر قسم کی تفہیم پر قدرت رکھتے ہیں۔ ادبی تھیوری کی بنیاد متن (Text) کی تعبیرات پر اُستوار ہے لہٰذا متن کا نیا یعنی مابعد جدید تصور واضح ہونا بہت ضروری ہے۔ متن کی قدیم یا روایتی تعریف کے مطابق ہر لکھی ہوئی شئے جس سے ہم کسی معنی کا استخراج کریں متن کہلاتی ہے۔ تحقیق اور تنقید دونوں میں متن کا یہی مفہوم صدیوں سے مستعمل چلا آرہا ہے، یعنی ہر بامعنی تحریر متن ہے۔ ادبی تھیوری کے بنیاد گزاروں نے متن کے اس روایتی مفہوم کو ہمراہ رکھتے ہوئے کائنات کے باقی تمام مظاہر کو بھی متن کا درجہ دے دیا ہے۔ اب متن سے مراد تمام رنگ، مذہبی و سیاسی علامتیں، نظریات، نصب العین ، اخلاقیات، سائنسی و سماجی علوم و فنون، گھر، خاندان، فرد یہاں تک کہ مادی دنیا بذات خود ایک متن ہے۔ بہ الفاظِ دیگر ہر وہ شئے جسے دیکھ کر ہم سوچنے پر مجبور ہو جائیں یا اُس سے کسی معنی کا استخراج کریں نیز اُس کے اثرات کو محسوس کریں وہ متن ہے، چاہے وہ موسم ہے یا موسیقی یا پھر مصوری، یہ سب اصل میں متن کے متنوع روپ ہیں۔ متن کا تحریری طور پر موجود ہونا لازمی نہیں ہے۔ ہر علامت، ساخت، شکل حتّٰی کہ کپڑوں کے ڈیزائن تک متن کہلائے جاسکتے ہیں۔ ادب میں شامل ہر صنف متن ہے چاہیے وہ کوئی نثر پارہ ہے یا شعری تخلیق، یعنی متن سے باہر کچھ نہیں ہے۔ متن کا یہی وسیع مفہوم ادبی تھیوری میں زیرِ بحث آتا ہے جس کی وجہ سے تنقید اور تعبیرات کا ایک نیا جہان ہمارے سامنے منکشف ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔ اگر نوعیت اور اقسام کا ذکر کیا جائے تو ہم آسانی کی خاطر متن کو کئی ذیلی حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، مثلاً ادبی متن، ثقافتی متن، سیاسی متن، مذہبی متن اور صحافتی متن وغیرہ۔

ادبی تھیوری، تنقیدی تھیوری یا ثقافتی تھیوری کا اصل منصب یہی ہے کہ وہ متن کی تمام ممکنہ اقسام کی تفہیم اور جان کاری میں مدد فراہم کرے۔ متن کی قدر و قیمت کا تعین اس کے مختلف اور بدلتے مفاہیم، تعبیرات کا سلسلہ، معانی کیسے سیّال ہو سکتا ہے، متن اور تناظر کا مسئلہ یا پھر قاری کی اہمیت جیسے قضیے اسی تھیوری کے سائے تلے بیٹھ کر حل کیے جاتے ہیں۔ متن کی بحث تب مکمل ہوتی ہے جب اس میں متن تخلیق کرنے والا (تخلیق کار / مصنف) اور متن خوانی کرنے والا (قاری) بھی شامل ہو، گویا ادبی تھیوری متن، مصنف اور قاری کی ایک ایسی تثلیث ہے جہاں کسی ایک کو موضوع بنانا سب کو موضوع بنانے کے برابر ہے۔ یہی وہ نازک مقام ہے جہاں سے اس نزاعی بحث کا آغاز ہوتا ہے کہ معنی پیدا کرنے کی اصل ذمہ داری کون ادا کرتا ہے؟ آیا معنی متن میں ملفوف ہے، کیا اسے مصنف پیدا کرتا ہے یا معنی کو جنم دینے والا صرف اور صرف قاری ہے۔

کلاسیکی تنقید میں معنی کے تمام مباحث مصنف اساس تھے جس کی وجہ سے مصنف کے حالاتِ زندگی اور اس کے عہد کا سیاسی و سماجی منظر نامہ جاننے پر ساری توانائی صرف ہوتی رہی۔ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار کی معروف کتاب" اُردو شاعری کا سیاسی و سماجی پس منظر" تنقید کی اسی مروجہ صورت اور ضرورت کو ظاہر کرتی ہے۔ نئی تنقید اور روسی ہئیت پسندی نے تنقید کے اس خاص کلاسیکی رجحان پر کاری ضرب لگائی اور متن کو منشائے مصنف سے یکسر آزاد کر دیا۔اب مصنف کے بجائے قاری اہم ہو گیا کہ وہی متن سے معنی کشید کرنے کا اہل یا مکلف ہے۔جب ایک متن سے ہر قاری اپنے ثقافتی اور تہذیبی پس منظر کے مطابق معنی اخذ کرے تو اُسے قاری اساس تنقید کا نام دیا گیا۔ معنی کا تشکیلاتی عمل ساختیات اور مابعد ساختیات کی منازل طے کرتا ہوا مختلف ادبی تھیوریوں کو سامنے لانے کا باعث بنا جس کی وجہ سے آج ادب کی دنیا میں تانیثیت،نو آبادیات،مابعد نو آبادیات،تاریخیت،نو تاریخیت،اورQueer Theory جیسے معاملات سامنے آ رہے ہیں۔برِصغیر کے ایک اہم نظریہ ساز (Theorist)ڈاکٹر پرامود کے نیّر(Pramod K.Nayar)اپنی کتاب "Contemporary Literary and Cultural Theory"میں تھیوری کے ابتدائی مقدمات کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> Theory now is not restricted to literary text or literary approaches to,say,the novel,but has widened out into other domains.Such multiple roots of Theory in anthropology , psychoanalysis and philosophy in addition to traditional literary criticism, generatres its complexity,its political edge,its jargon, its agenda and,its riveting analytical rigour.The most sophisticated approaches to literary text have,at least since the mid 1960s,come from these diverse,non literary fields.Studies of anthropology,of history or of art have influenced the way we read literary text.(1)

اس انگریزی عبارت کا اُردو مفہوم یہ نکلتا ہے کہ" تھیوری اب صرف ادبی متن یا ناول تک محدود نہیں ہے، بلکہ یہ دوسرے شعبوں اور منطقوں تک پہنچ چکی ہے۔ تھیوری کی ایسی متعدد جڑیں روایتی ادبی تنقید کے ہم راہ بشریات، تحلیلِ نفسی اور فلسفہ میں موجود ہیں۔اس کی پیچیدگی، سیاسی پہلو، مخصوص اصطلاحات اور ایجنڈا،یہ سب مل کر تجزیات میں سختی پیدا کرتے ہیں۔ ۱۹۶۰ء کے وسط سے انھی پیچیدہ اور غیر ادبی علوم نے ادبی تھیوری پر اثرات مرتب کیے۔ علم البشریات، تاریخ اور فنون نے ادبی متون کے مطالعات کو متاثر کیا ہے۔" یہ بات اب واضح ہو جاتی ہے کہ ادبی تھیوری میں جب کسی مخصوص علم کی اصطلاحات شامل ہو جائیں تو اس کی تفہیم میں

دشواری ہو سکتی ہے۔ صرف اُردو زبان و ادب والے ہی ادبی تھیوری کی مشکلات کا ذکر نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر مغربی ناقدین بھی اس کی پیچیدگی اور دقت پسندی کا گہرا ادراک رکھتے ہیں۔ مغربی ادب میں نظریاتی ڈسکورس، ادبی تھیوری اور ثقافتی تھیوری کی تفہیم و تسہیل پر بے شمار تعارفی کتب اور رسائل موجود ہیں جس کی وجہ سے ایسے مسائل وہاں کی دانش گاہوں میں روز مرہ مباحث کا حصہ ہیں۔ اُردو زبان میں مغرب کی ایک صدی پر پھیلی روایت کو ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنی کتاب "تنقیدی تھیوری کے سو سال"[۲] میں بہت عمدگی سے سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ قاسم یعقوب کی مرتب کردہ کتاب "ادبی تھیوری: ایک مطالعہ"[۳] نے اس موضوع کے اہم مقدمات کو روشن کرنے میں خاصی مدد دی ہے۔ اُن اُردو نقادوں کی فہرست بھی خاصی حوصلہ افزا ہے جنھوں نے ادبی تھیوری پر سنجیدگی سے توجہ دی اور اس پر لکھ رہے ہیں۔

اب تازہ تنقیدی موضوعات میں یہ امر بھی زیرِ بحث آتا رہتا ہے کہ ادب کی تفہیم و توضیح کی خاطر تھیوری کا مطالعہ کرنا کسی حد تک ناگزیر بھی ہے کیوں کہ اس کی موجودگی ادب کی جانکاری میں کئی نئے جہان اور ابعاد کو نشان زد کرتی ہے۔ اس دعوے کا یہ مطلب ہر گز نہیں لینا چاہیئے کہ روایتی ادبی تنقید اب ٹاٹ باہر شمار ہو گی۔ روایتی تنقید کے پس منظر میں ادب سے وابستہ ایک طویل تہذیبی روایت کی جھلکیاں دیکھی جا سکتی ہیں جس کے مطابق عقلِ سلیم یا حکیمانہ شعور و ادراک رکھنے والے کسی خارجی وسیلے پر انحصار نہیں کرتے۔ وہ مسلسل غور و فکر اور وہبی صلاحیتوں کی بدولت خود کو ہر زمانے کے تحت ڈھال لیتے ہیں اور اکثر اوقات اپنے عہد سے آگے بھی نکل جاتے ہیں۔ جرمنی کے تاریخ ساز اور نظام ساز فلسفی امانوئل کانٹ کی مثال سامنے ہے، جو تمام زندگی ایک محدود سے علاقے میں رہنے کے باوجود اپنے عہد کی فکریات میں نئے فلسفیانہ ابعاد کو متعارف کرانے کا باعث بنتا ہے۔ ایسی روشن مثالیں اپنی جگہ اہم ہیں تاہم یہ بدیہی حقیقت ہے کہ اُردو زبان و ادب کی ترقی، رفتار، ارتقا اور سمت نمائی صرف اسی وقت اپنے اثرات ظاہر کرے گی جب اس میں بدلتے رنگوں کی آمیزش ہوتی رہے گی نیز ناقدین، محققین اور تخلیق کار زمانے کی بدلتی نبض پر اپنا ہاتھ رکھیں گے۔ نسترن احسن فتیحی نے اسی نکتے کو بڑے بصیرت افروز پیرائے میں بیان کیا ہے:

> ہر زمانے کا ادب مختلف زاویہ ہائے نگاہ رکھتا ہے اور اپنے وقت کی تحریکات اور اس سے پنپنے والے رجحانات کے زیرِ اثر ترجیحات کو قبول کرتے ہوئے آگے بڑھتا ہے، اور کشتِ حیات کو سیر اب کرتا ہے۔ گو بلائزیشن کے اس دور میں ثقافتی اور لسانی یک رنگی ختم ہوتی جا رہی ہے۔ نتیجتاً زبانیں اور ادبی روایات اپنی علاقائی سرحدوں سے باہر کے اثرات قبول کر رہی ہیں۔ پیچیدہ باہمی ربط کے نتیجے

کے طور پر حالیہ برسوں میں کوئی نئی ادبی اصطلاحیں اور تنقیدی محاورے وضع کیے جارہے ہیں تاکہ مختلف قومی روایات، زبانوں اور ثقافتی رسومات کے درمیان ایک باہمی ربط کا بخوبی مطالعہ پیش کیا جا سکے۔ گویا ادبی تنقید میں نئے نئے ادبی مکالمات، ڈسکورس اور تحقیقی سطح پر منکشافات کا سلسلہ جاری رہے۔ (۴)

یہ بحث اب اُس مقام پر آگئی ہے جہاں ادبی تھیوری کے ابتدائی مقدمات کو دیکھ پرکھ لینا تاکہ تفہیمی عمل کے درواہو سکیں۔ ادبی تھیوری کیا ہے؟ اس کے بنیاد گزار کون لوگ ہیں؟ یہ دونوں سوال واضح اور مدلل جواب کے متقاضی ہیں۔ ادبی تھیوری کی تعریف اور حدود کے بارے میں متقدمین اور متاخرین نے خاصی خامہ فرسائی کی ہے لیکن اس خصوص میں رہنمائی کا ایک بہتر وسیلہ "انٹرنیٹ انسائیکلوپیڈیا آف فلاسفی" ہے جس میں ونس بریوٹن(Vince Brewton) کا جامع و مانع علمی مقالہ بعنوان "Literary Theory" شامل ہے جس میں اس ڈسپلن کی درج ذیل تعریف ملتی ہے:

> Literary theory" is the body of ideas and methods we use in the practical reading of literature. By literary theory we refer not to the meaning of a work of literature but to the theories that reveal what literature can mean. Literary theory is a description of the underlying principles, one might say the tools, by which we attempt to understand literature. All literary interpretation draws on a basis in theory but can serve as a justification for very different kinds of critical activity. It is literary theory that formulates the relationship between author and work; literary theory develops the significance of race, class, and gender for literary study, both from the standpoint of the biography of the author and an analysis of their thematic presence within texts(۵)

ترجمہ:

> ادبی تھیوری، تصورات اور طریق ہائے کار کا ایسا مجموعہ ہے جو ہم ادب کی عملی پڑھت میں استعمال کرتے ہیں۔ ادبی تھیوری کے ذریعہ ہم ادب پارے کے معنی کی جانب نہیں بلکہ اُن ادبی تھیوریوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو ادب کی معنویت منکشف کرتی ہیں۔ ادبی تھیوری بنیادی اُصولوں کی وضاحت ہے، یعنی یہ ایسے آلات (Tools) ہوسکتے ہیں جن کے ذریعے ہم ادب کا فہم حاصل

کرتے ہیں۔ ہر ادبی تشریح، تھیوری کی بنیاد پر اخذ ہوتی ہے، لیکن یہ ایک مختلف قسم کی تنقیدی سرگرمی کا جواز بھی فراہم کرتی ہے۔ (٦)

ادبی تھیوری (اسے عرفِ عام میں تنقیدی تھیوری یا صرف تھیوری بھی کہا جاتا ہے) اپنی اصل میں ایک طریقِ کار ہے جس میں ادبی متن کو کسی مخصوص لنز (Lense) کے ذریعے دیکھا جاتا ہے۔ یہ سوچنے کا ایک ایسا انداز ہے جس کے توسط سے فن پارے کی تشریح کرنے کے بجائے تعبیر کی جاتی ہے۔ تشریح کا عمل محدود اور اقداری جب کہ تعبیر کا دائرہء کار استقرائی اور استخراجی ہوتا ہے۔ اگر تعبیر کی عمومیت کو دیکھا جائے تو ادبی تھیوری میں استخراجی عمل کی کارفرمائی زیادہ نظر آتی ہے۔ فکری اسالیب کی رنگارنگی ادبی متن کی گرہ کشائی میں اتنی وسعت کا مظاہرہ کرتی ہے کہ بسا اوقات ادب پارہ نظروں سے اوجھل ہوتا چلا جاتا ہے۔

ادبی تھیوری کو بین العلومی مظاہر کا پابند مانا گیا ہے کیوں اس میں بہ یک وقت تاریخ ، فلسفہ، لسانیات، عمرانیات، علم البشریات، سیاسیات، نفسیات، معاشیات، نشانیات (Semiology) اطلاعیات، ڈیزائینگ، طبیعیات اور فیشن کے مباحث فعال رہتے ہیں۔ تھیوری میں رنگ برنگے مضامین کی فعالی حالت بالعموم اکہری نہیں ہوتی کیوں کہ علوم کے متبائن اجزا آپس میں مل کر تعقلات کی نئی صورتوں کو جنم دیتے ہیں۔ افکار و تصورات کی یہ پیوندکاری یا پیوستگی کسی بھی نئے قاری کو پریشانی میں مبتلا کر سکتی ہے۔

اب ایک ایسا قاری جو مارکسی خیالات سے تو کسی حد تک واقف ہے لیکن ردِ تشکیل (Deconstruction) سے کوئی جانکاری نہیں رکھتا، جب اچانک اس کے سامنے "Marxist deconstruction" کی نئی اصطلاح آئی گئی تو اس نئے بننے والے تعقلاتی رشتے کو اپنی گرفت میں نہیں لا سکے گا یہی حال مابعد نو آبادیاتی تانیثیت اور دیگر مظاہر کا ہے۔ ادبی تھیوری کی کتابوں میں ایسے پیچیدہ تصورات کا سلسلہ دور تک پھیلا نظر آتا ہے۔ ادبی تھیوری آزادانہ سوچ کا ایک مخصوص انداز بھی ہے۔ ہر ادب میں ایسے عناصر ضرور موجود ہوتے ہیں جو خاص ادبی نہیں ہوتے اور اُن کی سرحدیں دوسرے علوم فنون کے ساتھ ملتی نظر آتی ہیں۔ ادبی تناظرات پر بھی ان کے گہرے اثرات مرتب کر ہوتے ہیں۔ ادبی تھیوری جہاں ان عناصر کی معنویت دریافت کرتی ہے وہاں انھیں وسعت آشنا بھی کر دیتی ہے۔ اس ادبی تھیوری کی مزید کچھ جہتیں قاسم یعقوب کی فراہم کردہ تصریات میں موجود ہیں:

ادب کو سمجھنے کے نظریات اور ادبی تھیوری میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ نظریہ ادبی متون کو اس طرح تشریح کرتا ہے جو طرح وہ نظریہ خود اسے دیکھتا ہے جب کہ ادبی تھیوری ادبی متون کی اُس طرح تشریح کرتی ہے جس طرح وہ متون خود موجود ہوتے ہیں۔۔۔ادبی تھیوری مشاہدات اور تجربات کی عملی اشکال کی تھیورائزیشن ہے۔اسی لیے ادبی تھیوری مصنف کو نہیں متن کو اپنی اساس بناتی ہے، متن خود فیصلہ کرتا ہے کہ اسے کیسے پڑھا جائے۔سائنس کے اُس عمل کی طرح کہ اگر فطرت کو سمجھنا ہے تو فطرت سے ہی پوچھا جائے کہ وہ کیا ہے اور کس طرح عمل کر رہی ہے۔بجائے اس کے کہ پہلے سے موجود نظریہ یا بیانیہ اس کی تشریح کرے۔ (۷)

تھیوری کا کام تفکر یا تامّل کرنا ہے، یعنی اس انداز سے کسی پہلو کو سوچنا یا ایک موضوع کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا جو معنی خیزی کے عمل کو آگے بڑھائے، اس میں خیال آرائی اور قیاس آرائی سبھی کچھ شامل ہے۔جب کسی متن کو کھولا جاتا ہے یہ کوئی اٹکل پچو قسم کا کام نہیں ہے بلکہ ایک مرتب صورت میں متن کی اندرونی دنیا کو منکشف کرنے کے لیے سعی کی جاتی ہے۔متن کا کوئی مفہوم یا مطلب حتمی نہیں ہوتا کیوں کہ معنی ایک سیّال کیفیت یا حالت کو قائم رکھتا ہے۔تھیوری متن کا بہترین شعور مہیا کرتی ہے اور اشیا کو ثقافتی مظاہر کے ساتھ نتھی کر کے اپنے دلائل وضع کرتی ہے۔

ادبی تھیوری نظری سے کہیں زیادہ عملی (Praxis) چیز ہے۔اس کا کام زبان کے جدید تصورات کی روشنی میں متن کو کھوجنا ہے۔ روایتی تنقید میں زبان کا کردار خاصا سادہ رہا ہے لیکن مابعد جدید تصورات نے زبان کو علامت یا نشانی قرار دے کر اس کی پیچیدگیوں میں اضافہ کر دیا ہے۔اب زبان کلچر کے تابع ہے یا دوسرے لفظوں میں زبان کلچر کی زائیدہ ہے جس میں تخلیق کار کا حصہ کم ہے۔"لکھت، خود لکھتی ہے" والا قول اسی اُصولی بحث پر مبنی ہے۔اس کے تمام دعوے اسی صورت میں اپنی افادیت ظاہر کرتے ہیں جب عملاً اس کا آمنا سامنا متن کے ساتھ ہو۔تھیوری کو اپنی حقانیت ثابت کرنے کی خاطر بھی عملی تنقید کا سہارا چاہیئے ہوتا ہے۔

اگر تھیوری کسی ادب پارے کی استدلالی تفہیم میں معاونت نہیں کرتی تو اس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔البتہ یہ ایک الگ بحث ہے کہ کہیں کہیں یہ انتہا پسندانہ رائے بھی سننے کو ملتی ہے کہ ادبی تھیوری کے لیے نظری مباحث بھی کافی وشافی ہیں اور اس کے لیے متنی تعبیرات کا ہونا ضروری نہیں ہے۔یہ بات کسی حد تک سچ بھی نظر آتی ہے کیوں کہ مشرق ومغرب کے تھیوری پسند ناقدین تھیوری کے عملی مباحث سے زیادہ نظری مباحث میں فعال نظر

آتے ہیں۔ اگرچہ معترضین کو دلاسہ دینے کی خاطر آٹے میں نمک کے برابر عملی نمونے بھی فراہم کیے ہیں۔ ادبی تھیوری کی ساکھ اُسی وقت مستحکم ہو گی جب اس میں عملی نمونوں کی فراوانی ہو گی۔

ادبی تھیوری کے تانے بانے جرمن، روسی اور فرانسیسی زبانوں کے علاوہ انگریزی میں بھی سامنے آتے رہتے ہیں۔ یہ بہت مناسب علمی رویہ ہے کہ ان مآخذ کو بھی حسبِ استعداد دیکھتے رہنا چاہیئے تاکہ اصل تصورات تک رسائی ممکن ہو۔ یہ ایک بدیہی امر ہے کہ اُردو زبان و ادب میں ادبی تھیوری کے تمام مباحث مغرب سے مستعار ہیں اور ناقدین نے اُن تصورات کو اُردو میں رائج کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ انگریزی میں جس ناقد نے حد درجہ سادہ اور سلیس پیرائے میں ادبی تھیوری کے مختلف پہلوؤں پر تواتر کے ساتھ لکھا اس کا نام جوناتھن کلر (Jonathan Culler) ہے۔ یہاں اس کے افکار و نظریات کا اجمالی ذکر اس لیے لازمی ہے کیوں کہ ادبی تھیوری کی نوعیت اور ہئیت پر اس نے بھی اپنے استدلال قائم کیے ہیں۔

جوناتھن کلر ادبی اور ثقافتی نظریہ کے بڑے کینوس پر تھیوری اور ادبی تاریخ کے کردار کے تصور پر بحث کرتا ہے۔ وہ تھیوری کو ایک ایسا بین العلومی تعقلاتی نظام کہتا ہے جس میں ساختیات لسانیات، بشریات، مارکسزم، نشانیات، تحلیلِ نفسی اور ادبی تنقید شامل ہیں۔ وہ کھلے دل سے اعتراف کرتا ہے کہ ادبی تھیوری نے ادبی مطالعات کی صورت کو یکسر بدل دیا ہے۔ طلبہ کے ذہنوں سے "تھیوری" کا خوف دور کرنے کی خاطر وہ اسے ایک سرگرمی (Activity) کہنے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ مغرب میں ایک مخصوص طبقہ تھیوری کو مفروضہ مانتا ہے، جوناتھن کلر نے صاف لفظوں میں کہا کہ یہ کوئی مفروضہ (Hypothesis) نہیں ہے بلکہ یہ بہت سے عناصر کے درمیان ایک پیچیدہ صورتِ حال ہے جسے نہ آسانی سے تسلیم کیا جا سکتا ہے اور نہ آسانی سے رد کرنا ممکن ہے۔ یہ تفکر کا ایسا اُسلوب ہے جس کی حد بندی مشکل ہے۔ ہمارے ذہنوں میں معنی، لکھت اور ادب کے بارے میں عقلِ عام کا جو ایک رویہ پایا جاتا ہے ادبی تھیوری ان سب پر عدم اطمینان کا اظہار کرتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ادبی تھیوری ایک ایسا خاص نظریہ ہے جو ہمارے لیے اتنا فطری ہوتا ہے کہ ہم چاہتے ہوئے بھی اسے ایک نظریے کے طور پر نہیں دیکھ سکتے۔[۸] ان تمام باتوں سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ادبی تھیوری، تشریح اور توضیح کی اجارہ داری کو ختم کر کے اُسے نئے دائرے میں کھینچ لاتی ہے۔ یہ نئے دوائر اگرچہ متن کی وضاحت کرنے کے پابند ہوتے ہیں لیکن یہ وضاحت سیدھے سبھاؤ نہیں چلتی بلکہ سماج کے وسیع تناظرات اور تھیوری کی اپنی زبان، منہاج اور تکنیکی امور سائے کی طرح ساتھ رہتے ہیں۔

متن کی تعبیرات یا تجزیات کا عمل اس قدر رنگارنگ، باہم متضاد اور آڑا ترچھا ہوتا ہے کہ عام روایتی قاری بہت جلد اس طریقِ کار سے اُکتا جاتا ہے۔ ادبی تھیوری کا مدار چوں کہ بین العلومی مظاہر پر ہے جہاں ادب، زبان، ثقافت، ادارے، لسانیات، اسالیب، تشریحات، معنیات ، نظریات، طبقات، جنسیات، علاقائیت اور تاریخی سیاق کی یلغار ہوتی ہے، یہاں ادبی متن ادبی معما بن کر رہ جاتا ہے۔ جب تک کوئی قاری ان موضوعاتی وسعتوں سے آشنا نہیں ہو گا وہ تھیوری کے قائم کردہ مقدمات کو سمجھ بھی نہیں پائے گا۔

ایک اعتبار سے تھیوری (Theory) اسم با مسمیٰ ہے۔ تھیوری کی اصل یونانی لفظ Theoria ہے جس کا مطلب ہی غور و فکر کرنا ہے اسی سے آگے ایک لفظ Theoros بھی بنتا ہے جس کا مطلب تماشائی ہے۔ یہ قدیم یونانی ڈرامے کی اصطلاحات ہیں جن کا براہِ راست تعلق سٹیج کی دنیا کے ساتھ ہے۔ سٹیج ایک ہے، منظر ایک ہے لیکن دیکھنے والے کئی ہیں اور ہر ایک اپنے اپنے زاویے سے ڈرامے کو دیکھ پرکھ رہا ہے۔ ہر ناظر اپنی تعبیر میں مکمل آزاد ہے۔ ذہنی استعداد مختلف ہونے کی وجہ سے ڈرامے کی نئی پرتیں سامنے آنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ یہی کیفیت ادبی تھیوری کی ہے جہاں متن اور تناظر کا کھیل قاری کو ہر لمحہ ایک نئے حیرت کدے میں لے جاتا ہے۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ ادبی تھیوری کے بنیاد گزار کون ہیں؟ تو ہمیں ایک بار پھر مغربی متون کی جانب دیکھنا پڑتا ہے کیوں کہ وہاں اس کی مستقل روایت کامل تاریخی ترتیب کے ساتھ مل جاتی ہے۔ گریگری کیسل (Gregory Castle) نے اپنی کتاب "ادبی تھیوری"[۹] میں ایسے چھیالیس نظریہ ساز نقادوں کی فہرست مہیا کی ہے جو کسی نہ کسی حوالے سے ادبی تھیوری پر کام کرتے رہے ہیں۔ فاضل مصنف نے اس کتاب میں قدرے جدید نظریہ سازوں کو یکجا کیا ہے جن کا تعلق زمانی حوالے سے بیسویں صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی کے ساتھ ہے۔ اس میں مقبول، معروف اور کم معروف سبھی شامل ہیں۔ جدید دور کا اولین نظریہ ساز تھیوڈور ایڈرنو (Theodor Adorno) ہے ، یہی سلسلہ رولاں بارت، پال ڈی مان، ژاک دریدا، فرانز فینین، میشل فوکو، جولیا کرسٹوا، ایڈورڈ سعید، ریمنڈ ولیم، کیری وولف اور Slavoj Zize تک پھیلا نظر آئے گا۔ اس کے برعکس ونسینٹ بی لیچ (Vincent B.Leitch) نے اپنی ضخیم اور قاموسی کتاب (جس کا تیسرا ایڈیشن ۲۸۱۹ صفحات پر مشتمل ہے) اور کتاب کا نام " The Norton Anthology of Theory and Criticism" ہے[۱۰]، اس میں تھیوری کے بنیاد گزاروں کا ذکر افلاطون، ارسطو اور ہوریس (Horace) سے کیا ہے جس کا اختتام Ian Bogost پر ہوا جس کا تعلق بیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے ساتھ بنتا ہے۔

ان دونوں کتابوں کی مشترک خصوصیت یہی ہے کہ ادبی تھیوری کا زمانی اور مکانی منظر نامہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ واضح ہو جاتا ہے۔ مغرب کی علمی روایت میں ایک خاص تسلسل نظر آتا ہے اور ہر کڑی اپنی گزشتہ کڑیوں کے ساتھ پیوست ہے۔ جس کی وجہ سے روایت اور جدیدیت کے رنگ کئی مقامات پر ہم رنگ ہوتے نظر آتے ہیں۔ اُردو زبان کی صورتِ حال قدرے مختلف ہے۔ یہاں روایت کا تسلسل نہ ہونے کی وجہ سے علوم کا باہمی سلسلہ بار بار منقطع ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے روایت کی صحت و صداقت چُھپ جاتی ہے۔ ورنہ یہاں بھی ادبی تھیوری کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود رہا ہے، یہ ایک الگ بحث ہے کہ یہ روایت مستحکم طریقے سے آگے کیوں نہیں چلی۔ الطاف حسین حالؔی نے مقدمہ "شعر و شاعری" (یہ مقدمہ ۱۸۹۳ء میں مکمل ہو چکا تھا لیکن پہلی مرتبہ دیوان کے ساتھ ۱۸۹۴ء میں شائع ہوا) اس میں شعری اصناف کی حد تک ایک واضح اور جامع ادبی تھیوری کے نقوش ملتے ہیں۔ ادبی تھیوری کی چاہے کوئی ابتدائی صورت ہو یا انتہائی صورت، وہ اپنی جگہ مکمل نہیں ہوتی، وقت گزرنے کے ساتھ اسی ابتدائی صورت کی کئی نئی صورتیں سامنے آنا شروع ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ ادبی تھیوری ایک جامع و مانع تصور کو ابھارنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔

اُردو کے عناصرِ خمسہ، تخلیق اور تحقیق کے علاوہ تنقید کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ یہ حقیقت تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ حالؔی اور ان کے باقی رفقائے کار، انگریزی ادبیات سے حسبِ منشا اور حسبِ ضرورت استفادہ کرتے تھے جس کی وجہ سے اُردو ادب کو فائدہ ہی پہنچا ہے۔ "مقدمہ شعر و شاعری" کے انگریزی مآخذ پر ڈاکٹر وحید قریشی کے حاشیے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اُردو کے البتہ کچھ ایسے نقاد ضرور ہیں جن کی تحریروں سے کسی ایک صنف یا مجموعی ادب کے بارے میں ادبی تھیوری کا استخراج کیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک تو وارث علوی ہیں اور دوسرے محمد حسن عسکری۔ وارث علوی نے فکشن پر جس مدلل انداز سے اپنے تنقیدی محاکے سامنے لائے اُن کی روشنی میں فکشن کی ادبی تھیوری کا احصا کیا جانا ممکن ہے۔ محمد حسن عسکری کا تنقیدی وژن بھی ادبی تھیوری کے کئی اہم پہلوؤں کو نشان زد کرتا ہے۔

ادبی تھیوری اصل میں ادب کا باضابطہ اور متن اساس مطالعہ ہے جسے بڑی حد تک معروضی بھی کہا جا سکتا ہے۔ یہ معروضی مطالعہ متن اور تناظر کی یکجائی پر مشتمل ہوتا ہے لیکن اس میں دریدا کی وہ فکر بھی کار فرما رہتی ہے جس کے مطابق معنی تناظر کا پابند ہے اور تناظر اصلاً لامحدود ہوتا ہے۔ معنی کو اسی لیے سیّال مانا گیا ہے کہ وہ تناظر کی تبدیلی سے خود بھی ہر لمحہ تبدیل ہونے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا کے ہاں یہ مباحث موجود

ہیں جو پڑھنے والوں کو نئی راہیں دکھاتے ہیں۔ ان کے مضمون "معنی اور تناظر" کا یہ اقتباس اس باہمی رشتے کو کچھ اس طرح واضح کرتا ہے:

> مصنف کی شخصی حیثیت کے تناظر میں جو معنی مرتب ہوتا ہے، وہ اس Context میں تو درست ہے مگر مصنف کی شخصی حیثیت کے تناظر میں یہ معنی تبدیل ہو جائے گا اور تناظر کے دیگر دائروں میں متواتر تبدیل ہوتا جائے گا؛ تاہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا درست نہیں ہو گا کہ کسی ایک تناظر کے اندر جو معنی پیدا ہوا تھا، وہ مسترد ہو جائے گا کیوں کہ اپنے تناظر کے اندر اُس کا وجود بدستور قائم رہے گا۔ لہٰذا اس بات کا تمام تر دارومدار قاری پر ہے کہ وہ خود کو کسی ایک تناظر تک محدود کر کے، ایک خاص معنی تک رسائی پاتا ہے، یا اُس تناظر کو عبور کر کے معنی کے نئے سلسلوں سے متعارف ہوتا ہے (۱۱)

معنی اور تناظر کے مسائل ادبی تھیوری کے بنیادی یا اساسی مقدمات میں شامل ہیں اس لیے ان کا جاننا لازمی ہے۔ یہ جانکاری ہمیں اُس وقت زیادہ کام آتی ہے جب اچانک پتا چلتا ہے کہ تنقید کے روایتی تصورات یک قلم موقوف کر دیے گئے ہیں اور متن کے ساتھ ہمارا معاملہ نئے تعبیراتی منہاج کی طرف گامزن ہو چکا ہے۔ اب متن کے فیصلے اقداری نہیں رہے بلکہ ثقافتی اضافیت (Cultural Relativism) کے تابع ہو گئے ہیں۔ قاضی افضال حسین اپنے تعارفی مضمون "تھیوری / ادبی تھیوری" میں لکھتے ہیں:

> ادبی تھیوری ایک فکری تہذیبی تعمیر ہے، جو اپنی اصل میں بین العلومی، آفاقی، تخیلاتی، تجزیاتی اور وضاحتی ہوتی ہے۔ اس کا مقصد اقداری فیصلے کے اصول قائم کرنا یا کچھ ثابت کرنا نہیں بلکہ اپنے موضوع کے طرز وجود کا ان سوالوں کے ذریعے تجزیہ کرنا ہے جن کے جواب سے موضوع کے قیام کے وسائل آشکار ہوتے ہیں۔۔۔ ادبی تھیوری سے مراد ادب کے متعلق ان اساسی / تعمیری تصورات کا نظام ہے جو ادب کی ماہئیت، طرز وجود کو اپنے تجزیئے کا موضوع قرار دیتا ہے۔۔۔ اپنی صفات کے اعتبار سے ادبی تھیوری، اتنی ہی شدید تجزیاتی، وضاحتی اور تخیلاتی / تعقلی ہوتی ہے جتنا خود مجرد تھیوری کا تصور۔ صرف تھیوری کی تجرید اور تعمیر کی آفاقیت کے درجے میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ (۱۲)

جدید ادبی تھیوری کی انھی صفات نے اسے خاصا پیچیدہ بنا دیا ہے اور عام قاری کو بھی اُس وقت بڑی حیرت ہوتی ہے جب وہ تحلیل نفسی(Psychoanalysis) اور خالص فلسفے کے مباحث کو ادب کی اقلیم میں راج کرتا اور ادب کی ادبیت(Literariness) کو ادب کی راج دھانی سے رخصت ہوتے دیکھتا ہے۔یعنی ادب کو دیکھنے کے لیے غیر ادبی سانچوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔میشل فوکو اس صورتِ حال کو بیان کرنے کے لیے "Discursive Formations" کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔یہ اُس کیفیت کو واضح کرتا ہے جب کسی شئے کی تعبیر کرنے کے دوران بہت سے متنوع بیانات انتشار میں وحدت ڈھونڈنے کے متمنی ہوں۔یہ بات خاطر نشان رہے کہ ادبی تھیوری تاریخ اور دیگر سماجی تغیرات کی کوکھ سے پھوٹتی ہے اور ادب کو اپنی طے کردہ شرائط پر جانچنے کا حق رکھتی ہے۔تھیوری میں فکر کا کوئی نہ کوئی عنصر ضرور شامل رہتا ہے۔تھیوری اپنی اطلاقی نسبتوں سے کہیں زیادہ وسعتوں کی حامل ہوتی ہے۔ادبی تھیوری ایک طریقِ کار ہے لیکن ہر طریقِ کار ادبی تھیوری نہیں ہے۔ادبی تھیوری کی زنبیل میں کچھ خاص نظریات ہمہ وقت متحرک رہتے ہیں،یہی نظریات ادب پاروں کی معنویت کو زیر بحث لانے کا سبب بنتے ہیں۔ان نظریات کی تاریخ خاصی لمبی چوڑی ہے جس کے ڈانڈے عموماً افلاطونی فکر سے ملائے جاتے ہیں۔اصل میں افلاطون مثالیت پسند ہونے کے باوجود جن مسائل پر بات کرتا ہے وہ بیک وقت علم کے کئی شعبوں کو متاثر کرتے ہیں،یہی وجہ ہے کہ علم وادب کی دنیا میں افلاطون کے اٹھائے گئے سوال آج بھی زندہ ہیں اور ہر نیا آنے والا محقق اپنے فہم وادراک کے مطابق جوابات لکھنے کی سعی میں مشغول ہے۔ونس بریوٹن (Vince Brewton)اپنے گراں قدر مقالے بعنوان"Literary Theory" میں لکھتے ہیں کہ الفاظ اور معنی یا اشیا کے درمیان جو ایک بے قاعدہ یا من مانا(Arbitrary)رشتہ پایا جاتا ہے اس ہم رشتگی پر افلاطون نے اپنے ایک مکالمے"The Cratylus "میں بحث کی ہے،لطف کی بات یہ ہے کہ دورِ حاضر میں وہی مسائل ساختیات اور پس ساختیات کی جدید اصطلاحوں میں ظاہر ہوئے۔(۱۳)ادبی تھیوری کے ابتدائی نظریات میں آئی اے رچرڈز کی عملی تنقید،ولیم ایمپسن کی معرکہ آرا کتاب "ابہام کی سات اقسام"(۱۴)نئی تنقید اور روسی ہئیت پسندی کا عمل دخل نمایاں ہیں۔

ادبی تھیوری کے رائج نظریات و تصورات میں بعض کی مقبولیت بہت زیادہ ہے اور تقریباً ہر اہم نقاد نے اپنی تصنیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔یہ نکتہ ہمیشہ پیشِ نظر رہے کہ ادبی تھیوری کے نظریاتی امور میں سیاسی وسماجی و ثقافتی تحریکات اور لسانیاتی مکاتبِ فکر کی شمولیت اپنے پورے جوبن پر ہوتی ہے۔اہم یا کلیدی تصورات میں ساختیات،پس ساختیات،ردِ تشکیل،مابعد جدیدیت،تنقیدِ تحلیل نفسی،تانیثیت،جنسی مطالعات، نوآبادیاتی اور

مابعد نو آبادیاتی مطالعات، ماحولیاتی تنقید، نو تاریخیت اور ثقافتی مادیت نیز علم بیانات(Narratology)شامل ہیں۔ یہ سب ڈسکورس کی مختلف صورتیں ہیں۔ ادبی تھیوریوں میں اضافے کا عمل جاری و ساری ہے۔ پیٹریشیا وا (Patricia Waugh) نے اپنی کتاب "Literary Theory and Criticism" میں کئی نئے ڈسپلن کا ذکر کر دیا ہے جس میں "Theory of the gaze" بھی شامل ہے۔ اُردو میں ابھی اس کا ذکر شروع نہیں ہوا۔ اس پر جیرمی ہاتھورن(Jeremy Hawthorn) نے مفصل لکھا ہے اور بتایا ہے کہ جب دو افراد نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو تولتے ہیں تو یہ بھی مکالمے کی ایک صورت بنتی ہے جو کئی ان کہے معاملات کو حل کرنے یا حل نہ کرنے کے بارے میں آگاہی فراہم کرتی ہے۔ گویا یہ نظر کا نظر سے مکالمہ ہے جس میں حرف کوئی نہیں ہے تاہم اس کی اہمیت لکھے ہوئے متن جیسی ہی ہوتی ہے۔ ادبی تھیوری کے یہ سارے مظاہر متن کے ہمہ رنگ جلوؤں کو دریافت کرتے ہیں۔

حوالہ جات

۱) پرامود، کے نیر، Contemporary Literary and Cultural Theory، (انڈیا، پیئرسن، ۲۰۱۶ء) ص ۱۰، ۹

۲) وزیر آغا، تنقیدی تھیوری کے سو سال، الحمد، لاہور، طبع دوم، ۲۰۱۸ء

۳) قاسم یعقوب، ادبی تھیوری: ایک مطالعہ، شمع بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء

۴) نسترن احسن فتیحی، ایکو فیمینزم اور عصری تانیثی اُردو افسانہ، عکس پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۹ء، ص ۲۶، ۲۵

۵) Literary Theory | Internet Encyclopedia of Philosophy

۶) مقالے میں شامل تمام اُردو تراجم مقالہ نگار نے خود کیے ہیں۔

۷) قاسم یعقوب، ادبی تھیوری: ایک مطالعہ، شمع بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۱۲، ۱۱

۸) یہ ساری بحث جوناتھن کلر کی کتاب Literary Theory: A very Short Introduction,OUP,1997 سے ماخوذ ہے۔

۹) Gregory Castle,Literary Theory,John Wiley and Sons,Uk,2013

10) Wincent B.Leitch,The Norton Anthology of Theory and Criticism, w.w. Norton,USA,2021

۱۱) وزیر آغا، معنی اور تناظر، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۲۰۲۰ء، ص ۲۳

۱۲) قاضی افضال حسین، تھیوری / ادبی تھیوری (مضمون) مشمولہ، ادبی تھیوری: ایک مطالعہ، شمع بکس، فیصل آباد، ۲۰۱۴ء، ص ۴۰

۱۳) Literary Theory | Internet Encyclopedia of Philosophy

۱۴) ولیم ایمپسن کی کتاب "Seven Types of Ambiguity" جو ۱۹۳۰ء میں منظر عام پر آئی اور آج بھی اہمیت کی حامل ہے۔